Al-Mahdi Research Journal
Vol. 1, No. 1 (Jan-March 2020)

سامی مذاہب کی روشنی میں دعوتی نقطہ نظر کا جائزہ

Aroosa Mehboob[1]

Dr. Muhammad Imran[2]

Abstract:

This research paper presents a research study on the importance of the morality of the Prophet in invitation. The fact is that your attitude in preaching religion was that everyone thought that the Holy Prophet (SAW) was the most merciful to me. You could think of people's feelings and self-esteem every moment. Let them have a feeling of honor and honor in your heart, Anwar. This behavior made the followers of the Prophet your heirs and grandchildren. The Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) demonstrated this patience and affection on the occasion of Fateh Makkah, as a result of which all the people entered Islam. Those who are entering Islam".

Key words: Tableegh, Semitic Religions, Society, Messengers, Missions, Revelation

تمہید:

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی انسان ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت و کردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق و اعمال کی درستگی کا درس دیا۔ ان اخلاقی رہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ ان ہی رہنماؤں میں سے ایک مقدس و پاک ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت پیدا ہوئے جب پورا عرب شدید اخلاقی بحران کا شکار تھا اور دنیائے انسانیت میں عجیب ہیجان سا برپا تھا۔ اخلاقی اصول بے محابا توڑے جا رہے تھے اور انسانیت کی بر سر عام تذلیل کی جا رہی تھی۔ انسان سیرت و کردار کی تعمیر سے غافل اور عزت و ناموس کی تخریب کاری میں مشغول تھا۔ وہ ساری انسانی صفات سے بے پرواہ اور بلند اخلاقی اصولوں سے نابلد تھے کھلے عام بدکاری کرنا، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دوسروں کی عزت و جان پر حملہ آور ہونا۔ یہ عام سی بات تھی۔ ایسے میں اخلاق و کردار کی بات کرنا کچھ ایسا ہی تھا جیسے صحرا میں صدا لگانا، مگر اس نبی امّی نے اپنی ساری عمر اخلاقی اصولوں کی تبلیغ اور الٰہی قوانین کی اشاعت میں گزار دی اور ایک دن کے لئے بھی وہ اپنے ماحول کی تیرگی سے مایوس نہ ہوئے۔ آخر کار وہ دنیائے انسانیت سے اخلاقی باختگی کی انسانیت سوز فضا کو ختم

[1] *M.phil Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, aroosamehboob0312@gmail.com*

[2] *Assistant Professor, The Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, muhammadimranpak3@iub.edu.pk*

کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت شاقہ نے ایک مردہ وافسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔ باہم برسرپرخاس قبیلوں کے مجموعہ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنادیا، جس کا محرک عمل حیات ابدی کی امید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعائیں اس وقت علیحدہ علیحدہ دل انسانی پر پڑی تھی انہیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا۔ معاشرہ کو نہ صرف ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا، بلکہ اس معاشرہ کے افراد کو انسانیت کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں روحانی واخلاقی پاکیزگی، فرد کی آزادی، فرد اور معاشرہ کے مابین ایک توازن قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

ضرورت واہمیت

اسلام کا نظام الاخلاق ایک بڑے کُل کا جُز ہے، یہ کُل دراصل عَقائد، عِبادات، معاملات، اَخلاق اور قوانین پر مشتمل ہے یعنی ہمارا نظام الاخلاق، عَقائد و عِبادات سے جُڑا ہوا ہے۔ حَیا ایک اہم اخلاقی وَصف ہے، فرمایا گیا: الحیاء شعبۃ الایمان، حیا ایمان کا حصّہ ہے۔ گویا اخلاق اور ایمان یہاں جُڑے ہوئے نظر آتے ہیں، ایمانیات اور اخلاقیات کے تعلق کی اہمیت اس فرمانِ نبویؐ سے ظاہر ہو سکتی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ ایمان لانے والوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں، اسی طرح بتایا گیا کہ نماز بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے، روزہ کو ڈھال سے تعبیر کیا گیا اور روزہ دار کو تاکید کی گئی کہ وہ فحش گوئی سے اجتناب کرے، ایسا ہی حکم دورانِ حج، حاجی کے لیے بھی ہے، اب غور کیجیے کہ نماز، روزہ اور حج تو نظامِ عبادات کا حصہ ہیں لیکن کس طرح وہ نظام الاخلاق سے جُڑے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دینِ اسلام میں تعمیرِ اخلاق اور اس کے سَنورنے اور شخصیت میں ڈھلنے کے تصوّر کا تعلق عقائد، ایمانیات اور عبادات سے ہے۔ اخلاق شخصیت کا پَرتَو ہوتے ہیں، عَقائد دل میں ہوتے ہیں اور اخلاق عمل میں جھلکتے ہیں، عقائد جتنے پختہ ہوں گے، ایمان جتنا مضبوط ہو گا اور نظام عبادات میں جتنا خلوص وحُسن ہو گا اتنا ہی فرد کا نظام الاخلاق بہتر ہو گا۔

سوال تحقیق

میری تحقیق کا بنیادی سوال یہ ہے کہ دعوت دین میں عمومی طور پر افراط و تفریط کا عمل دخل بہت غالب آچکا ہے اس وجہ سے شدت سے محسوس کیا گیا کہ دعوت دین میں اخلاق نبوی اور منہاج نبوی کو اجاگر کیا جائے تاکہ دعوت دین کی ترویج میں مصروف مختلف تحریکوں اور ان سے وابسطہ افراد کے سامنے نبوی اسلوب دعوت موجود رہے۔

منہج تحقیق

میری تحقیق کا طریقہ ءکار بیانیہ اور تاریخی ہے اور قرآن وسنت اور تاریخ اسلام اور اسلاف کے طریق دعوت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

عیسائی مذہب

مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں اسرائیل بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں"۔ ظاہر ہے کہ اس دعوے کے بعد انجیلی پروگرام غیر اسرائیلی دنیا کے لیے پیغام ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ اسے ساری دنیا کا جامع مسلک کہا جائے کہ وہ محض اسرائیل مزاج کے مطابق فقط قوم اسرائیل ہی کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن جبکہ زور اور قوت کے بل بوتے پر اسے عالمگیر بنانے کی لاحاصل سعی کی گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ پھیل کر خود اسی کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور وہ خود اپنوں کی نگاہوں ہی میں ہلکا ہو گیا چنانچہ آج زیادہ تر انہیں اقوام کو عالمگیر مذہب کی تلاش ہے جو اس قومی مذہب مسلک اور جامع الملل مزہب کی طلب کی تلاش میں نکلتے رہتے ہیں جس سے صاف واضح ہے کہ ان کی یہ پھیکی اور بے روح عیسائیت آج محض قومیت کی شیرازہ بندی کے لیے رہ گئی ہے کسی دینی دستور العمل یا پروگرام کی حیثیت سے قائم نہیں ہے۔

ہندو مذہب

یا مثلاً ہندو مذہب کی نوعیت جبکہ ایک وطنی مذہب کی ہے جو دوسرے وطنوں کے لیے پیام کی حیثیت نہیں رکھتا اسی لیے اس کی تعلیمات میں دائرہ کو تنگ رکھنے اور وسیع نہ کیے جانے کی خاص کوشش کی گئی ہے مثلاً اس کی ہدایات کی رُو سے سمندر کی سیاحت یا سمندر پار جانا مذہباً ممنوع ہے آج اس کی جو کچھ بھی تاویل کی جاتی ہو مگر مسئلہ کی نوعیت ان کی صریح عبارتوں سے ہی نکلتی ہے ظاہر ہے کہ جس مذہب نے اپنے پرچارکوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح اپنے وطن کے کنارے سے باہر کی طرف جھانک بھی نہیں سکیں تو اس مذہب میں پھیل جانے یا دوسروں سے آنکھ ملانے اور ایک وطن سے دوسرے وطن تک منتقل ہونے کی کیا صلاحیت ہو سکتی ہے مذہب نے جب خود مبلغین مذہب ہی میں ملک کی چہار دیواری سے باہر نکلنے کی استعداد فنا کر دی تو مذہب کی تبلیغی صلاحیت معلوم۔

جہاں یہ تعلیم ہو کہ ویدوں کا علم پنڈتوں کی خاص میراث ہے اسے دوسرے گوت چھوُ بھی نہیں سکتے گویا جو قوم خود اپنوں کو بھی تبلیغ کرتے ہوئے ڈرتی ہو وہاں دوسری اقوام اور دوسرے وطنوں کو دعوت دینے کا سوال ہی کب پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ مزہب تبلیغی مذہب کہلایا جا سکے؟

لامی مذہب

لامی مذہب والے یعنی تبت کے لوگ ساری خیر و برکت کا وجود تبت ہی کے پہاڑوں تک محدود مانتے ہیں اور اس سے باہر جگہ جگہ شیطانی ارواح کا تسلط سمجھتے ہیں، بزعم خود اگر وہ ان حدود سے باہر نکل جائیں تو یہ شیطانی ارواح ان میں حلول کر کے ان کی ساری خیر و برکت سلب کر ڈالیں، چنانچہ اس قوم کے لامانے جبکہ بلطائف الحیل اسے یورپ کے سفر پر مجبور کیا گیا، واپس آ کر اخبارات کو یہی بیان دیا تھا کہ تبت سے نکلتے ہی اسے فضائے آسمانی شیاطین سے بھری ہوئی نظر آنے لگی۔ اور شیطانی ارواح اس میں اور اس کے سارے استعمال سامانوں میں سرائیت کرنے پر تلے ہوئے دکھائی دینے لگے جنہیں بمشکل تمام اس کی روحانیت نے باز رکھا۔ تب وہ تبت کے پہاڑوں کی برکت محفوظ رہ سکی۔

ظاہر ہے کہ ایسا مذہب جو چند پہاڑیوں کے غاروں میں محبوس ہو ساری دنیا کے جبال و بحار تک اپنی تبلیغی گونج کیسے پہنچا سکتا ہے؟ اور کس طرح دنیا کی اقوام کو مسخر کر سکتا ہے؟ کہ اسے تبلیغی مذہب کہا جائے بلکہ اسے یہ حق ہی کب پہنچتا ہے کہ وہ اس تنگ مسلک کی دنیا کو دعوت بھی دے؟ کیونکہ اس کی دعوتِ عام تو عالم کے لیے اسی وقت ممکن ہے؟ اس لیے اس قسم کے محدود وطنی یا قومی مذہب جو مخصوص اقوام کے وطنی یا قومی مزاج کے مناسب حال کسی وقت اُترے ہوں گے اقوام عالم کے لیے کبھی بھی دعوتِ عام نہیں بن سکتے اور اگر بنائے جائیں گے تو نتیجہ یہی ہو گا کہ اس پھیلاؤ کے بعد خود انہی کا رنگ پھیکا پڑ جائے گا اور وہ خود بخود معدوم ہونے لگیں گے۔ گویا ان کی بقا کا راز ہی اس میں مضمر ہے کہ وہ اپنی مخصوص قوم کے حلقوں اور اپنے محدود وطن کی چہار دیواریوں میں نقاب بر سر پڑے رہیں۔

یہودی مذہب

اسی بنا پر یہود کو اپنے مذہب کی دعوتِ عام دینے کی جرأت کبھی نہ ہوئی کہ وہ عرف اسرائیل ہی افتادِ طبع کے مناسب حال تھا یہودی اقوام پیسہ کمانے کے لیے تو دنیا کے ممالک میں جا سکتی ہیں اور اقوام عالم کا خون چوس سکتی ہیں لیکن مذہب کو لے کر نہیں چل سکتیں کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ اگر یہ تنگ مذہب جس میں جنت، رحمت، انبیاء سے نسبت حتیٰ کہ خدا سے قرابت وغیرہ سب اپنے لیے مخصوص کر کے بقیہ عالم کو محروم القسمت بتایا گیا ہے اگر اپنی قوم سے آگے بڑھایا گیا تو اقوام عالم تو اس سے زندہ نہ ہوں گی ہاں وہ خود اقوام کی بھیڑ میں پامال ہو جائے گا اس لیے اسے اپنی ہی رہبانیت گاہوں پر مقفل پڑا رہنا چاہیے۔

بہر حال یہ رہبانیت خیز مائل و مذاہب عموماً یا وطنی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں یا قومی بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان کے اسماء ہی سے یہ وطنی، قومی، اور شخصیتوں کی حد بنایاں اور تنگیاں نمایاں ہیں۔ ہندو مذہب ملک کی طرف، یہودی مذہب قوم کی طرف اور بدھ مت یا عیسائیت شخصیتوں کی طرف منسوب ہے اس لے ی ان کے اسماء ہی ان کی عمومیت اور ہمہ گیری سے انکاری ہیں۔ پس جبکہ خود ان کے اسم و رسم اور حقیقت و ماہیت میں پھیل جانے اور تمام اقوام کے افق پر چمک کر عام روشنی پھیکنے کی صلاحیت نہ ہو تو ان کے لیے دعوت و تبلیغ کے سسٹم اور آدابِ تبلیغ کے قواعد و ضوابط یا آداب و شروط کا سوال کب پیدا ہوتا ہے کہ وہ زیر بحث آئے۔

دعوت دین کے اصول و ضوابط

رسول ﷺ کی دعوت و تبلیغ درج ذیل اصولوں پر مبنی تھی۔

دعوت بالحکمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حکمت و دانائی کے اصول کے مطابق تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کی نفسیات کو جان کر اس کو دعوت دیتے تھے۔ دعوت پیش کرتے وقت مخلصانہ انداز میں وعظ و نصیحت فرماتے اور موثر طور پر نشیب و فراز سے آگاہ کرتے مخاطب کے دلائل کی بطریق احسن تردید کرتے۔ یعنی اس آیت کے مصداق

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ [۳]

"اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو"۔

متذکرہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دعوت میں دو چیزیں ملحوظ رہنی چاہیں۔

۱۔ حکمت

۲۔ عمدہ نصیحت

۱۔حکمت

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دُھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔

جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے، جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں اُن کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے، اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے بُرے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائےبکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے

کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہے مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

یعنی اس کی نوعیت مخ مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔

اس کا مقصود حریفِ مقابل کو چپ کر دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو۔ بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو، اعلیٰ درجے کا شریفانہ اخلاق ہو۔ معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔

---

[۳]۔ القرآن ۱۶: ۱۲۵

مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اُتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، تاکہ وہ گمراہی میں اور زیادہ دُور نہ نکل جائے۔ [۴]

۲۔ قول بلیغ

آپ کی دعوت میں عفو درگزر وعظ ونصیحت اور قول بلیغ شامل تھا۔ ارشاد ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا [۵]

"ان سے تعرض مت کرو، انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے"۔

آپ ﷺ جامع اور مدلل گفتگو فرماتے۔ انداز دلنشیں ہوتا، دعوت وارشاد میں مخالفت کی بد تہذیب اور درشت کلامی کو برداشت کرتے۔

بیزار ہو کر اس کو ترک نہیں فرماتے تھے بلکہ دین اسلام کو آسان کر کے پیش فرماتے اور خوشخبری سناتے۔ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو یمن میں دعوت اسلام کے لیے متعین فرمایا تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی۔

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا

"دین اسلام کو آسان کر کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں۔ لوگوں کو خوشخبری سنانا۔ نفرت نہ دلانا"

۳۔ رفق اور نرمی

آپ ﷺ ہمیشہ نرم لہجے میں گفتگو فرماتے تھے۔

قرآن پاک میں آپ ﷺ کی اس خوبی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ [۶]

" (اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم اِن لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے"۔

---

[۴]۔ مولانا مودودی، سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۷ء ۲/ ۵۸۱۔۵۸۲

[۵]۔ القرآن ۴: ۶۳

[۶]۔ القرآن ۳: ۱۵۹

رسول ﷺ میں موجودہ صفات

عظمتِ شان کا اظہار

ان آیات میں آپ ﷺ کی ثناء و تعریف اور عظمت شان کا اظہار بھی ہے کہ یہ صفات آپ ﷺ کے اندر پہلے سے موجود ہیں اور دوسرے اس سے پہلے فَبِمَا رَحْمَةٍ کا لفظ بڑھا کر یہ بھی بتلا دیا کہ ان صفاتِ کمال کا آپ ﷺ کے اندر ہونا یہ ہماری رحمت سے ہے۔ کسی کا ذاتی کمال نہیں پھر لفظ رحمت کو بصورت نکرہ لا کر رحمت کے عظیم و وسیع ہونے کی طرف اشارہ کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ رحمت صرف صحابہ کرام پر ہی نہیں بلکہ خود آنحضرت ﷺ پر بھی ہے کہ آپ ﷺ کو ان صفاتِ کمال کے ساتھ متصف فرما دیا۔

اگر یہ نرم خوئی، خوش اخلاقی، عفو و درگزر اور لطف و مہربانی کی صفات اگر آپ ﷺ کے اندر نہ ہوتیں تو اصلاح خلائق کا جو کام آپ ﷺ کے سپرد ہے وہ حسب منشاء انجام نہ پاتا، لوگ آپ ﷺ کے ذریعے اپنی اصلاح اور تزکیہ اخلاق کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے آپ ﷺ سے بھاگ جاتے۔

اور اس سب مجموعہ سے ایک اور اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ارشاد و اصلاح اور تبلیغ کے آداب اس سے معلوم ہو گئے، کہ جو شخص رشد و ہدایت اور دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کے کام کا ارادہ کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول ﷺ کی سختی برداشت نہیں ہو سکتی تو پھر کسی کی مجال ہے کہ وہ تشدد اور کج خلقی کے ساتھ خلق اللہ کو اپنے گرد جمع کر سکے اور ان کی اصلاح کا فرض انجام دے سکے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ﷺ تند خو، سخت طبیعت ہوتے، تو لوگ آپ ﷺ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، اس سے معلوم ہوا کہ مرشد و مبلغ کے لیے تند خوئی سخت کلامی، زہر اس کے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے۔[۷]

غور و فکر اور عقل و شعور کی دعوت

آپ ﷺ نے دعوت میں عقل و شعور سے کام لیا اور لوگوں سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ وہ دعوت کے معاملے میں عقل اور شعور سے کام نہ لیں۔

اسلام نے زور اور زبردستی کے طریقے کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[۸]

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے"

---

[۷]۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی ۲۰۱۰ء، ۲/ ۲۱۶۔۲۱۷

[۸]۔ القرآن ۲: ۲۵۶

یہاں "دین" سے مراد اللہ کے متعلق وہ عقیدہ ہے جو آیت الکرسی میں بیان ہوا ہے، اور وہ پورا نظام زندگی ہے جو اس عقیدے پر بنتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ "اسلام" کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جاسکتا۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جاسکے۔

عزم واستقلال

دعوت کا ایک اور اصول عزم واستقلال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں بھی عزم واستقلال کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے بھی دین کے معاملے میں عزم واستقامت کی راہ اختیار کی۔

شعب ابی طالب کا محاصرہ اور طائف کی مزاحمت جیسی گوناگوں تکالیف بھی آپ ﷺ کے مقصد حیات سے آپ ﷺ کو نہ ہٹا سکیں۔ آپ ﷺ پیش آمدہ مصائب و مشکلات میں بالکل پیچھے نہ ہٹتے بلکہ عزم و استقامت سے ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرتے۔

دعوت دین کے مقاصد

اسلام نے تبلیغ کا جو نظام بنایا ہے اس کے کچھ مقاصد بھی ہیں۔ یہ مقاصد بہت زیادہ اہم ہیں۔

ا۔ خدا کی رضا کا حصول

تبلیغ / دعوت کے ذریعے ہی ایک مسلمان صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کے ذریعے جو پیغام دنیا میں بھیجا ہے اسی کو م کو اپنا مقصد بنانا اور اس کو پھیلانا ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو سکتا ہے۔ انبیاء کے بعد ساری ذمہ داری پیغام رسانی کی مسلمانوں پر عائد ہو گی۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [۹]

"کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے"۔

اس میں لفظ "نُسک" کے معنی قربانی کے بھی آتے ہیں، اور حج کے ہر فعل کو بھی نُسک کہتے ہیں، اعمال حج کو "مناسک" کہا جاتا ہے اور یہ لفظ مطلق عبادت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اسی لیے مناسک بمعنی عابد بولا جاتا ہے، اس جگہ ان میں سے ہر ایک معنی مراد لیے جاسکتے ہیں اور مفسرین صحابہ و تابعین سے یہ سب تفسیریں منقول بھی ہیں، مگر مطلق عبادت کے معنی اس جگہ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ "میری نماز اور میری تمام عبادات اور میری پوری زندگی اور پھر موت یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

اس میں فروع اعمال میں سے اوّل نماز کا ذکر کیا، کیونکہ وہ تمام اعمال صالحہ کی روح اور دین کا محمود ہے، اس کے تمام اعمال و عبادات کا اجمالی ذکر فرمایا۔ اور پھر اس سے ترقی کر کے پوری زندگی کے اعمال و احوال کا ذکر کیا، اور آخر میں موت کا، ان سب کا ذکر کر کے فرمایا

---

[۹]۔ القرآن ۶: ۱۶۲

کہ ہماری یہ سب چیزیں صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور یہی ایمان کامل اور اخلاص کامل کا نتیجہ ہے، کہ انسان اپنی زندگی کے ہر حال میں اور ہر کام میں اس کو پیش نظر رکھے کہ میرا اور تمام جہاں کا ایک رب ہے میں اس کا بندہ اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں، میرا قلب، دماغ، آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پیر، قلم اور قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اٹھنا چاہیے۔

یہ وہ مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل دماغ میں مستحجر کر لے تو صحیح معنی میں انسان اور کامل انسان ہو جائے گا، اور گناہ و معصیت اور جرائم کا اس کے آس پاس بھی گزر نہ ہو۔[۱۰]

۲۔ اللہ کے مددگار

اللہ تعالیٰ ان پیغام پہنچانے والوں کو اپنا مددگار کہتا ہے جو اس کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں۔ یہ مددگاری اسلام کے نزدیک ایک روحانی ارتقاء کا سب سے زیادہ اونچا مقام ہے کہ آدمی خدا کی بندگی سے آگے بڑھ کر اس کا مددگار بن جائے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے پوچھا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ۖ آمَنَّا بِاللَّهِ ۖ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ [۱۱]

"تو اس نے کہا "کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟" حواریوں نے جواب دیا، "ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، گواہ رہو کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں"۔

حواری کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو ہمارے ہاں 'انصار" کا مفہوم ہے۔ بائبل میں بالعموم حواریوں کی بجائے "شاگردوں" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بعض مقامات پر انہیں رسول بھی کہا گیا ہے۔ مگر رسول اس معنی میں کہ مسیح علیہ السلام ان کو تبلیغ کے لیے بھیجتے تھے نہ اس معنی میں کہ خدا نے ان کو رسول مقرر کیا تھا۔ دین اسلام کی اقامت میں حصہ لینے کو قرآن مجید میں اکثر مقامات پر "اللہ کی مدد کرنے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک تشریح طلب مضمون ہے۔ زندگی کے جس دائرے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی عطا کی ہے۔ اس میں وہ انسان کو کفر یا ایمان، بغاوت یا اطاعت میں سے کسی ایک راہ کے اختیار کرنے رپ اپنی خدائی طاقت سے مجبور نہیں کرتا۔ اس کی بجائے وہ دلیل اور نصیحت سے انسان کو اس بات کا قائل کرنا چاہتا ہے کہ وہ انکار و نافرمانی اور بغاوت کی آزادی رکھنے کے باوجود اس کے لیے حق یہی ہے اور اس کی فلاح و نجات کا راستہ بھی یہی ہے کہ اپنے خالق کی بندگی و اطاعت کرے اس طرح فہمائش اور نصیحت سے بندوں کو راہ راست پر لانے کی تدبیر کرنا، یہ دراصل اللہ کا کام ہے اور جو بندے اس کام میں اللہ کا ساتھ دیں، اُن کو اللہ اپنا رفیق و مددگار قرار دیتا ہے اور یہ وہ بلند سے بلند مقام ہے، جس پر کسی بندے کی پہنچ ہو سکتی ہے نماز، روزہ اور تمام اقسام کی عبادات میں تو انسان محض بندہ و غلام ہوتا ہے۔ مگر تبلیغِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد میں بندے کو خدا کی رفاقت و مددگاری کا شرف حاصل ہوتا ہے جو اس دنیا میں روحانی ارتقا کا سے اونچا مرتبہ ہے۔[۱۲]

---

[۱۰]۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۹ء، ۳/ ۵۰۹

[۱۱]۔ القرآن ۳: ۵۲

[۱۲]۔ مولانا مودودی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۷ء، ۱/ ۲۵۶

امام الانبیاء کا مشن دعوتِ دین

ہمارے نبی کریم حضرت محمد سب نبیوں کے امام اور تمام رسولوں کے قائد ہیں، روز قیامت اللہ تعالیٰ کی حمد کا جھنڈا آپ ہی کے دست مبارک میں ہو گا، سارے حضرات انبیاء آدم سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک آپ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

دیگر انبیائے کرام کی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھی دعوت حق کی عظیم ذمہ داری سونپی، قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ کی بعثت کا مقصد دعوت الی اللہ تعالیٰ ہے، آپ کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سر انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

قول رب العالمین ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ [۱۳]

"(اس سے بڑھ کر نشانی کیا ہو گی کہ) ہم نے تم کو علم حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا ور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اب جو لوگ جہنم سے رشتہ جوڑ چکے ہیں، ان کی طرف سے تم ذمہ دار و جواب دہ نہیں ہو"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ "یعنی ہم آپ سے ان لوگوں کے انکار کے بارے میں باز پرس نہیں کریں گے جنہوں نے آپ کا انکار کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ [۱۴] "بہر حال تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے"

نیز اللہ کا فرمان ہے۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۙ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَۜيْطِرٍ [۱۵]

"اچھا تو (اے نبیؐ) نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو۔ کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو"

نیز فرمایا۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۗ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ [۱۶]

"اے نبی ﷺ، جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں، اور تمہارا کام ان سے جبراً بات منوانا نہیں ہے بس تم اِس قرآن کے ذریعہ سے ہر اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہ سے ڈرے"

ارشاد رب العالمین ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا [۱۷]

---

[۱۳]۔ القرآن ۲: ۱۱۹

[۱۴]۔ القرآن ۱۳: ۴۰

[۱۵]۔ القرآن ۸۸: ۲۱۔۲۲

[۱۶]۔ القرآن ۵۰: ۴۵

[۱۷]۔ القرآن ۳۳: ۴۵۔۴۶

"اے نبی ﷺ، ہم نے تمھیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر"۔

متذکرہ بالا آیت میں ارشاد باری تعالیٰ وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا کے معنی ہیں کہ آپ مومنوں کے لیے بے پایاں اجر و ثواب کی بشارت سنانے والے ہیں اور کافروں کو جہنم کے خوفناک عذب سے ڈرانے والے ہیں، وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ یعنی اللہ کے حکم سے اللہ کی مخلوق کو اپنے رب کی عبادت کی دعوت دینے والے ہیں۔[۱۸]

دعوت دین کی خاطر آنحضرت ﷺ کی بعثت

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[۱۹]

" اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"۔

بنی ﷺ کی عالمگیر بعثت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا "اور (اے محمد!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"۔ یعنی تمام مکلف مخلوقات کی طرف آپ کو مبعوث فرمایا گیا۔

آپ افضل الانبیاء بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی

آپ ﷺ صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے اور صرف اپنے دور کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول، ایمانداروں کو جنت کی بشارت دینے والے اور منکرین حق کو اخروی انجام بد سے ڈرانے والے ہیں۔ جبکہ آپ ﷺ سے پہلے کے سب انبیاء کسی خاص قوم کے لیے، کسی خاص علاقہ کے لیے اور کسی خاص دور کے لیے مبعوث کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ مضمون قران کریم میں بھی متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی کثرت سے وارد ہے اس مضمون سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ سب انبیاء سے افضل و اشرف ہیں۔ اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے بعد تا قیامت کوئی رسول یا نبی آنے والا نہیں لہٰذا صرف اہل عرب کو نہیں بلکہ بیرون عرب تبلیغ کی بھی ذمہ داری اپ پر عائد تھی۔[۲۰]

آنحضرت ﷺ کو فریضہ دعوت ادا کرنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

[۱۸] ۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبۃ دارالسلام، ریاض ۱۴۲۸ھ، ۴/ ۷۵۶

[۱۹] ۔ القرآن ۳۴: ۲۸

[۲۰] ۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبۃ دارالسلام، ریاض ۱۴۲۸ھ، ۵/ ۵۰

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ [۲۱]

"اے پیغمبر ﷺ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہر گز نہ دکھائے گا"۔

تبلیغ کا حکم اور معصیت پر وعید

اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کو یہاں يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ کے نام سے مخاطب فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ وہ سب کچھ لوگوں کو پہنچادیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ آپ نے بھی اس ارشاد باری تعالیٰ کی تکمیل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ فرمایا۔[۲۲]

قول باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ [۲۳]

"اے نبی ﷺ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو"۔

حکمت و موعظمت حسنہ کے ک ساتھ دین کی دعوت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد وہ کتاب و سنت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ "اور نیک نصیحت سے"

جس میں لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے حالات و واقعات کا بھی ذکر ہو۔

فرمان مولائے کریم ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ [۲۴]

"چونکہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے اس لیے اے محمدؐ، اب تم اُسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اور اِن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو"۔

---

[۲۱]۔ القرآن ۵: ۶۷

[۲۲]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبۃ دارالسلام، ریاض ۱۴۲۸ھ، ۲/ ۳۷۴

[۲۳]۔ القرآن ۱۶: ۱۲۵

[۲۴]۔ القرآن ۴۲: ۱۵

ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلِذٰلِکَ فَادْعُ "لہٰذا اے محمد! اسی (دین) کی طرف لوگوں کو بلاتے رہنا" یعنی یہ دین جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور جس کا آپ سے پہلے ان تمام انبیاء و مرسلین کو حکم دیا گیا تھا جن کی ایسی بڑی بڑی شریعتیں تھیں جن کی اتباع کی جاتی تھی مثلاً: اولوالعزم اور دیگر پیغمبر، پس آپ اس دین کی طرف لوگوں کو بلائیں وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ "اور جیسے آپ کو حکم ہوا ہے اسی پر قائم رہنا" یعنی آپ بھی اور آپ کی اتباع کرنے والے بھی، اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قائم رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ "اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا" یعنی مشرکین کی خواہشوں کی جنہوں نے ازراہ کذب و افترا بتوں کی عبادت شروع کر رکھی ہے۔[۲۵]

ج: آنحضرت ﷺ کا فریضہ دعوت سرانجام دینا

اللہ رب العالمین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہمارے نبی کریم ﷺ نے فریضہ دعوت کو کماحقہ ادا فرمایا۔ خود اللہ رب العالمین نے کلام پاک میں اس بات کی شہادت دی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ [۲۶]

"(پس آج یہ رحمت اُن لوگوں کا حصہ ہے) جو اِس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر اُنہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے"۔

نبی کریم ﷺ کی صفات

سابقہ انبیائے کرامؑ کی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو آپ کی بعثت کی بشارت سنائی اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا، اس لیے ان کی کتابوں میں آپ کی صفات کا تذکرہ موجود رہا جنہیں ان کے علماء و احبار خوب جانتے تھے۔[۲۷]

ارشاد رب العالمین ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۲۸]

"بے شک تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہا ہے"

---

[۲۵]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبۃ دارالسلام، ریاض ۱۴۲۸ھ، ۵/ ۳۵۲

[۲۶]۔ القرآن ۷: ۱۵۷

[۲۷]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبۃ دارالسلام، ریاض ۱۴۲۸ھ، ۲/ ۶۹۷

[۲۸]۔ القرآن ۲۳: ۷۳

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ دعوت اِلی اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کی سرانجام دہی کے لیے اپنے حبیب و خلیل حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، انہیں دعوت حق دینے کا حکم دیا، اور انہوں نے اسی عظیم فریضہ کے ادا کرنے کی خاطر اپنی ساری توانائیاں، قوتیں اور صلاحیتیں صرف کر دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دو پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ تمام عالم کی ہدایت و رہنمائی اور تمام مخلوق پر اتمامِ حجت کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک بعثتِ خاص دوسری بعثتِ عام۔ آپ ﷺ کی بعثت خاص اہل عرب کی طرف تھی اور اہل عرب کے ساتھ اسی خاص نسبت کی وجہ سے آپ ﷺ کو نبی امی یا نبی عربی کہا گیا اور آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی اس کی زبان بھی عربی ہوئی۔ اس بعثت کی ذمہ داریاں (یعنی تبلیغ اور اتمام حجت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست انجام دیں۔

آپ ﷺ کی بعثتِ عام تمام دنیا کی طرف ہے۔ اس بعثت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک امت عطا فرمائی اور اس امت کو یہ حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس دین حق کی تبلیغ تم پر کی ہے اس کی تبلیغ اسی طرح تم دوسروں پر کرتے رہنا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا [۲۹]

"اور اسی طرح ہم نے بنایا تم کو وسط شاہراہ پر قائم رہنے والی امت تاکہ تم لوگوں پر (اللہ کے دین کی) گواہی دو اور رسول تم پر اللہ کے دین کی گواہی دے"۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ [۳۰]

"اور میرے پاس اس قرآن کی وحی آئی ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے تم کو ہوشیار کروں اور جن کو یہ پہنچے (وہ دوسروں کو ہوشیار کریں)"۔

دین کی حفاظت کے لیے دو خاص انتظام

آنحضرت ﷺ کی بعثتِ عام کے مقصد کی تکمیل کے لیے پوری امت کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے برپا کیا تاکہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر بولی میں یہ عورت حق قیامت تک بلند ہوتی رہے اور دنیا الگ الگ نبیوں کی بعثت اور الگ الگ زبانوں میں وحی کے اترنے کی ضرورت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے نیاز ہو جائے۔ چونکہ آپ ﷺ کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت ہونے والی نہیں تھی، خلق کی رہنمائی اور اتمام حجت کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کی امت پر ڈال دی گئی تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کو صحیح حالت میں محفوظ رکھنے کے لیے دو خاص انتظام فرمائے۔

ایک یہ کہ قرآن مجید کو ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے محفوظ فرما دیا تاکہ دنیا کو اللہ کی ہدایت معلوم کرنے کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

---

[۲۹]. القرآن ۲: ۱۴۳

[۳۰]. القرآن ۶: ۱۹

دوسرا یہ کہ اس امت کے اندر جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے، ہمیشہ کے لیے ایک گروہ کو حق پر قائم کر دیا تاکہ جو لوگ حق کے طالب ہوں ان کے لیے ان کا علم و عمل شمع راہ کا کام دیتا رہے۔

اس طرح کی ایک جماعت (اگرچہ اس کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو) اس امت میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ فتنوں کا کتنا ہی زور ہو لیکن یہ صالح جماعت آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے علم و عمل کو زندہ رکھے گی۔ جب ضلالت کا اثر اس امت کے رگ ویشہ میں اس طرح سرایت کر جائے گا جس طرح دیوانے کتنے کے کاٹے ہوئے آدمی کے رگ وریشہ میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس امت کے ایک عضو کو اس زہر سے محفوظ رکھے گا۔ جب دنیا کا خمیر اتنا بگڑ جائے گا کہ معروف منکر بن جائے گا اور منکر معروف بن جائے گا اور اہل بدعت کا اتنا زور ہو گا کہ معروف کے ان داعیوں کی حیثیت دنیا میں اجنبیوں اور بیگانوں کی ہو جائے گی، اس وقت بھی یہ لوگ خلق کو معروف کی طرف پکارتے رہیں گے اور ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود لوگوں کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔ ہر دور میں اس طرح کی جماعت کو باقی رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جس طرح علم وحی کو قرآن کی صورت میں قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ اور رسول ﷺ کے صحابہؓ کے علم و عمل کو اس جماعت کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے اور خلق کی ہدایت اور رسول کی حجت تمام کرنے کے لیے جو روشنی مطلوب ہے وہ کبھی گل ہونے نہ پائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں یہ لوگ پہاڑی کے چراغ ہوں گے۔ جن سے راہ ڈھونڈنے والے رہنمائی حاصل کریں گے اور زمین کے نمک ہوں گے جن سے کوئی چیز نمکین کی جا سکے گی۔

تبلیغ بحیثیت ایک فریضہ رسالت

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شہادت علی الناس یا تبلیغ دین محض بطور ایک نیکی اور دینداری کے کام کے مطلوب نہیں ہے اور نہ محض مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لیے مطلوب ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت عام کا جو مقصد اس امت کے ہاتھوں پورا ہونا ہے، یہ اس کا مطالبہ ہے جو اللہ کے ہر اس بندے کو ادا کرنا ہے جو آنحضرت ﷺ کی امت میں داخل ہے۔ یہ ایک فریضہ رسالت ہے جو آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ڈالا ہے اگر مسلمان اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کریں گے تو وہ اس فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے جس کا بار اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ڈالا ہے اور اس کوتاہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیر امت کے اس منصب سے محروم کر دے۔ جس پر اس فرض کی ادائیگی کے لیے ان کو سرفراز فرمایا ہے اور اس دنیا کی گمراہی کا وبال ان کے سر آئے کیونکہ آج خلق پر اتمام حجت کا ذریعہ یہی ہیں۔ اگر یہ اتمام حجت کے فرض کو ادا نہ کریں تو دنیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہیوں کے لیے یہ عذر کر سکتی ہے کہ تو نے جن کو شہداء علی الناس بنایا تھا اور جن پر ہماری رہنمائی کی ذمہ داریاں ڈالی تھی انہوں نے ہمارے سامنے تیرے دین کی تبلیغ نہیں کی ورنہ ہم ان ضالتوں میں نہ پڑتے اور مسلمان اس الزام کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

تبلیغ کی شرائط

شہادت علی الناس یا تبلیغ امت کی یہ ذمہ داری صرف اس بات سے ادا نہیں ہو سکتی کہ دنیا میں مسلمان نامی ایک گروہ موجود ہے خواہ وہ شہادت علی الناس کا یہ فرض انجام دے یا نہ دے اور نہ ان الٹی سیدھی تدبیروں ہی سے ادا ہو سکتی ہے جن سے نہ صرف یہ کہ دعوت حق کے مقصد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ الٹا ان سے شدید نقصان پہنچا۔ یہ ایک نہایت اہم فریضہ رسالت کی ادائیگی ہے، اس وجہ سے

ضروری ہے کہ ان کو ان شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے جن شرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو انجام دینے کا حکم دیا ہے اور جن شرائط کے ساتھ حضرات انبیائے کرام علیہ السلام نے اس کو انجام دیا ہے۔ یہاں ہم ان بعض شرطوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو اس فرض کی ادائیگی کے لیے ناگریز ہیں۔

پہلی شرط

اس شہادت کی پہلی شرط یہ ہے کہ ہم جس دینِ حق کے شاہد ہیں، پہلے صدق دل کے ساتھ اس پر خود ایمان لائیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جس حق کی دعوت دیتے تھے پہلے اس پر خود ایمان لاتے تھے، اپنے آپ کو اس حق سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔

اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ [۳۱]

"رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کے رب کی جانب سے اس پر اتاری گئی اور اہل ایمان"۔

اس حق پر ایمان لانے کے بعد جو چیزیں اس کے خلاف ہوئیں خواہ وہ آباءواجداد کا دین ہو، خواہ قوم وقبیلہ کی عصبیت ہو، خواہ اپنا شخصی اور جماعتی مفاد ہو، سب سے دست بردار ہونے کے لیے انہوں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا اور ان سارے خطرات میں، جو اس ایمان کے سبب سے پیش آئے۔

انا اَوَّلُ الْمُؤمِنِيْن اور اَنا اَوَّلُ المُسْلمِين

(میں پہلا مومن ہوں، میں پہلا مسلم ہوں) کہتے ہوئے انہوں نے خود چھلانگ لگائی۔ یہ نہیں ہوا کہ خود تو اس کے کنارے پر کھڑے رہے لیکن دوسرں کو للکارا کہ تمہارا نجات اگر ہے تو بس اس میں چھلانگ لگا دینے میں ہے۔

دوسری شرط

دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی جس حق پر ایمان لایا ہے، اس کی زبان سے شہادت دے۔ جو شخص ایک حق پر ایمان لایا ہے اگر اس کو ظاہر کرسکنے کے باوجود ظاہر نہیں کرتا تو وہ "گونگا شیطان" ہے اور قیامت کے دن اس پر حق کو چھپانے کا وہی جرم عائد ہو گا جو یہود پر عائد ہوا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ [۳۲]

"اور یاد کر جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم کتاب الٰہی کو پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کروگے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں"۔

اس معاملہ میں مصلحت بینی جو کچھ بھی ہونی چاہیے وہ دراصل حق کی خاطر ہونی چاہیے کہ اس کا اظہار صحیح طریق پر، صحیح محل میں، صحیح مخاطب کے سامنے ہو تا کہ دعوت حق کا تخم بار آور ہو۔ اگر آدمی حق کو بالکل نظر انداز کر کے مجرد اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ایک امر حق کے اظہار سے جی چراتا ہے یا اس سے غفلت برتتا ہے تو صرف بعض مستثنٰی حالات ہی میں اس کی اجازت ہے۔ مثلاً یہ کہ آدمی کی جان کے لیے کوئی واقعی خطرہ ہوا اور وہ اس امر کو محسوس کرتا ہو کہ اس وقت حق کی خدمت کے نقطۂ نظر سے بھی زیادہ بہتر یہی

[۳۱]۔ القرآن ۲: ۲۸۵

[۳۲]۔ القرآن ۳: ۱۸۷

ہے کہ وہ اپنی جان بچالے جائے، اس طرح کے کسی واقعی خطرہ کے بغیر اگر کوئی شخص اظہار حق سے جی چراتا ہے تو یا تو وہ منافق ہے یا کم از کم بے غیرت اور بے حمیت۔

تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ یہ شہادت صرف قول ہی سے نہ دی جائے بلکہ عمل سے بھی دی جائے۔ اسلام میں وہ شہادت معتبر نہیں ہے جس کے ساتھ عمل کی تائید و توثیق موجود نہ ہو۔ بعض لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں آتے اور آپ کے سامنے بسا اوقات قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یہ شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا، فرمایا کہ یہ لوگ منافق اور جھوٹے ہیں اور اس کے ثبوت میں ان کے ان اعمال و اقوال کو ان کے سامنے رکھ دیا جن سے صاف اسلام اور مسلمانوں کی بدخواہی اور حق دشمنی نمایاں تھی۔ جو شخص ایک امر کو حق مانتا ہے اور لوگوں کو اس کی دعوت بھی دیتا ہے اس کے لیے لازمی ہے کہ اس کا عمل اس کے موافق ہو ورنہ وہ ان علمائے یہود کے نقش قدم کا پیرو ہے جن کو قرآن نے ملامت کی ہے کہ تم دوسروں کو تو خدا کے ساتھ وفاداری کی دعوت دیتے ہو لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ جس آدمی یا جس گروہ کا رویہ اس کی دعوت کے خلاف ہے وہ درحقیقت اپنی دعوت کی تردید کے دلائل خود پیش کرتا ہے اور عمل کی دلیل چونکہ قول کی دلیل سے زیادہ قوی ہے اس وجہ سے خود اس کا رویہ اس کے دعویٰ کے خلاف ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد اس کی تردید کے لیے کسی اور حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسلمان اگر اللہ کے دین کے شاہد ہیں تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس پر ایمان بھی لائیں۔ اس کی دعوت بھی دیں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں اس پر عمل بھی کریں ورنہ اس شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور کیا ہے۔ زندگی کے عملی معاملات میں اس دین سے منحرف رہنا اور زبان سے اس کے حق ہونے کی شہادت دینا خلق کے اوپر اتمام حجت کے نقطۂ نظر سے ایک بالکل ہی لغو حرکت ہے ایسے بے عمل واعظوں کے وعظوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ اگر اپنی مخلوق کو مجرم ٹھہرائے تو یہ بات اس کے عدل کے خلاف ہو گی۔ البتہ اس کا نتیجہ ضرور نکلے گا کہ خود مسلمانوں پر اس دین کی حجت پوری طرح تمام ہو جائے گی اور قیامت کے دن وہ اپنے ہی اقراروں پر پکڑے جائیں گے عملی معاملات میں دین سے انحراف کی جو شکلیں قابل درگزر ہیں ان کو قرآن نے خود بیان کر دیا ہے اور ساتھ ہی ان کا علاج بھی بتا دیا ہے۔ اس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ جذبات و شہوات کے غلبہ سے آدمی کا کوئی قدم حق کے خلاف اٹھ جائے اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی فوراً توبہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی حق سے انحراف پر مجبور کر دیا جائے۔ اس کی تلافی کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس چیز سے نکلنے کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر توبہ اور اصلاح کی جدوجہد کے بجائے آدمی اپنی غلطی ہی کو اوڑھنا بچھونا بنالے اور جس حالت اضطرار میں گرفتار ہو گیا ہے اسی کو دین و مذہب قرار دے بیٹھے تو شہادت علی الناس کے جس منصب پر وہ مامور کیا گیا تھا، باطل پر اس طرح قناعت نے اسے خود بخود اس منصب سے ہٹا دیا۔

چوتھی شرط

چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ شہادت ہر قسم کی قومی و گروہی عصبیت سے بالاتر ہو کر دی جائے، نہ کسی قوم کی دشمنی ہمیں اس حق سے منحرف کر سکے جس کے ہم داعی ہیں اور نہ کسی قوم کی حمایت و حمیت کا جذبہ اس سے ہمیں منحرف کر سکے۔ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں ہمیں جس طرح بے لاگ ہونا چاہیے اس کی تعلیم قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا [۳۳]

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے حق کی شہادت دینے والے بنو اور کسی قوم کی مخالفت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف سے ہٹ جاؤ"۔

اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کے مقابل میں جس طرح بے لوث ہونا چاہیے اس کی تعلیم اس طرح دی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ [۳۴]

"اے ایمان والو! حق کے برپا کرنے والے بنو اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے اگرچہ یہ تمہارے اور تمہارے والدین اور اقربا کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے"۔

پانچویں شرط

پانچویں شرط یہ ہے کہ اس پورے حق کی شہادت دی جائے جو خدا کی طرف سے اترا ہے کسی ملامت یا مخالفت کے اندیشہ سے اس میں سے کوئی چیز کم نہ کی جائے۔ جن چیزوں کی شہادت انفرادی زندگی کے فرائض میں ہے، ان کی شہادت افراد اپنی انفرادی زندگیوں میں دیں۔ نماز ہر شخص پڑھے، روزہ ہر شخص رکھے، زکوٰۃ ہر صاحب مال دے۔ حج ہر صاحب استطاعت کرے، نیکی، دیانتداری، راست بازی اور پاکبازی کی زندگی ہر مسلمان اختیار کرے البتہ جن چیزوں کی شہادت کے لیے اجتماعی زندگی شرط ہے اس کے لیے افراد کا فرض ہے کہ جماعتی زندگی پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کریں اور جب وہ وجود میں آجائے تو اس کی شہادت دیں۔ مثلاً معاشرت و معیشت کا اجتماعی نظام اور ملک کا سیاسی نظم و نسق افراد کے بس کی چیز نہیں ہے۔ اس کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈالنے کے لیے ایک جماعت کی قوت درکار ہے۔ اس وجہ سے اس سلسلہ میں سب سے مقدم ضرورت ایک صالح جماعت کے قیام کی ہے۔ اس جماعت کے قیام کے بعد اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ میں بھی اس حق کی شہادت واجب ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترا ہے۔ ذیل میں ہم چند آیتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ کس طرح نبی ﷺ کو پورے دین کی، بغیر کسی کمی بیشی کے دعوت کی تاکید کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [۳۵]

"اے رسول! جو (حق) تم پر تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس پورے حق کی تبلیغ کرو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے فرض رسالت کو ادا نہیں کیا (اور مخالفوں کی پروانہ کرو) اللہ لوگوں کے شر سے تمہاری حفاظت کرے گا"۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ [۳۶]

"جو اللہ کے حکموں کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے"۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [۳۷]

---

[۳۳]۔ القرآن ۵: ۸

[۳۴]۔ القرآن ۴: ۱۳۵

[۳۵]۔ القرآن ۵: ۶۷

[۳۶]۔ القرآن ۳۳: ۳۹

"اور کافروں اور منافقوں کی بات پر دھیان نہ کر۔ ان کی ایذا رسانیوں سے در گزر کر اور اللہ پر بھروسہ کر"۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ [۳۸]

"پس اسی راہ کی دعوت دے اور اسی پر جمارہ جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی بدعتوں کی پیروی نہ کر اور کہہ دے کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں"۔

چھٹی شرط

چھٹی شرط یہ ہے کہ جب ضرورت ہو اللہ کے دین کی شہادت جان دے کر دی جائے یہ شہادت کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں کو، جنہوں نے اللہ کے دین کو برپا کرنے کے لیے جہاد کیا اور جس حق پر ایمان لائے تھے اس کے حق ہونے کی گواہی تلواروں کی چھاؤں میں بھی دی، ان کو شہید کہا گیا ہے اور غور کیجئے تو ان لوگوں کے سوا نہ اس لقب کا کوئی اور مستحق ہو سکتا ہے اور نہ اس لقب کے سوا کوئی اور لقب ان کے لیے موزوں ہو سکتا ہے۔ اس امت پر شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے اس کو پورا کرنے والے ہزاروں لاکھوں ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی محنت کا اللہ کے ہاں اجر بھی پائے گا۔ لیکن جنہوں نے اس راہ میں اپنا پورا سرمایہ زندگی لگا دیا اور اپنے سر دے کر اس حق کی گواہی دی، در حقیقت وہی اس بات کے اہل ہیں کہ ان کو شہید کا لقب ملے کیونکہ ایک چیز کے حق ہونے کی اس سے بڑی شہادت کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ آدمی اس کی حمایت و نصرت کی راہ میں اپنا سر کٹا دے۔ پس جو ہمت اور یہ بازی کھیل گیا۔ اس نے وہ شہادت دے دی جس کے بعد شہادت کا کوئی اور درجہ باقی نہ رہا۔

الغرض: حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ دین میں آپ کے اخلاق حسنہ کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھ ہی پر مہربان ہیں۔ آپ لوگوں کے جذبات واحساسات اور عزت نفس کا ہر لمحہ خیال فرماتے اپنے خدمت گاروں کو یہ محسوس کرواتے کہ آپ کے قلب انور میں ان کے لئے عزت وخلوص کے جذبات موجود ہیں اس طرز عمل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو آپ کا جانثار اور گرویدہ بنا دیا۔

سفارشات

- دعوت دین میں نہ صرف نبی کریم ﷺ بلکہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے کردار اور اخلاق کو بھی تحقیق و ترویج کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔
- نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ اور محنت دین کو عصری اداروں کے نصاب کا باقاعدہ حصہ بنایا جائے۔
- دعوت دین کی محنت کی مملکت پاکستان کو عوام کی تعلیم و تربیت میں معاون کار کی حیثیت سے سرپرستی کرنی چاہئے۔

---

[۳۷]۔ القرآن ۳۳: ۴۸

[۳۸]۔ القرآن ۴۲: ۱۵